پروگرام کے شرکاء

شرکاء کے تحقیقی پروجیکٹ

ریسیپ سنترک- تحقیقی پروجیکٹ :

حقوق کی سماجیات: اسلام میں انسانی حقوق اوراس کا عالمی اور فرقہ وارانہ پس منظر

اس پروجیکٹ کا مقصد اس مشترکہ سماجی اور قانونی پس منظر کی تفتیش کرنا جس کے تئیں مختلف تہذیب وثقافت اپنی دلائل کی بنیاد پر انسانی حقوق کو صحیح ٹھہراتے ہیں اور خاص کر مسلمان کس طرح انسانی حقوق کو صحیح ٹھہراتے ہیں۔

انٹرویو:

کچھ تحقیق کے بارے میں

ڈیولپمنٹ/تمرین/نیٹ ورک

آپ کو اپنی اس تحقیق کے دوران کن کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا؟

مجھے سب سے بڑی پریشانی ہوئی آٹھویں صدی کے اسلامی قانونی نظریات کی تشریح کرنے میں اور قدیم دستاویز کا ترجمہ کرنے میں۔ وہ عقیدہ اور اصطلاحات آج کی جدید نظریہ سے میل نہیں کھاتے ہیں حالانکہ انسانی وقار کی حفاظت اور انسانوں کو پورے حقوق اور آزادی دینے کا جو اس کا ہدف تھا وہ بالکل اس کی نظریات سے ملتا جلتا ہے۔

آپ کی تحقیق کس مرحلہ میں ہے؟

فی الوقت میں مقالہ لکھ رہا ہوں جو تقریباً میری پوری تحقیق کا ۲۵ فیصد کام کا احاطہ کرلے گا اور یہ مقالہ میرے آنے

والی کتاب کا حصہ بھی ہوگا۔

آپ کا اس پروجیکٹ کو لے کر مستقبل میں کیا پروگرام ہے اور اس کے ذریعہ انسانی حقوق کے میدان میں کیا کریں گے؟

میرے پروجیکٹ کا اصل مقصد ہے مختلف مذاہب کے درمیان مشترکہ اقدار کی پہچان کرنا جس سے ہم ان کے درمیانی کشمکش کو دور کر سکتے ہیں اور عالمی اخلاقی، اور قانونا اصولوں کو بھی تلاش کرنا ہے جو سبھی مذاہب میں مشترک ہیں میں اتحاد پسند اور اخراج پسند لوگوں کے درمیان ایک مذاکرہ بھی شروع کرانا چاہتا ہوں تا کہ وہ مذاہب کی مشترکہ ورثہ کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور بقائے باہمی سے استفادہ کر سکیں۔ میں اپنے نظریے کے اداری پہلو پر ابھی بھی کام کر رہا ہوں۔

کیا آپ کی پہلے کی رائے میں کچھ تبدیلی آ رہی ہے جیسے جیسے آپ کی تحقیق مکمل ہو رہی ہے؟

میرا پورا کا پورا نظریہ ابھی بھی تشکیلی مرحلہ میں ہے، میں پوری طرح اپنے نظریات بدلنے کو تیار ہوں اگر مجھے کسی نے دلائل کی بنیاد پر مطمئن کر دیا، تحقیق ہمیشہ سے ہی ایک مستقل عمل ہے اور اس میں کوئی اذعان نہیں ہے، میں تحقیق کے نظریاتی پہلو پر دھیان دینے سے پہلے دوسرے دانشور حضرات سے بحث و مباحثہ کیا اور انہوں نے میرا دھیان اداری زاویہ کی طرف دلایا۔

ریسیپ سنترک - کچھ تحقیق کے بارے میں

میری اس تحقیق کا مقصد ہے قدیم اسلامی قانونی نظریات میں عالمی اسلامی حقوق کی کچھ بنیادیں تلاش کرنا اور اس مقصد سے منسلک یہاں یہ بنیادی سوال ہیں جس کا آپس میں باہمی تعلق ہے، کسی بھی حق کو ممکن کیسے بنایا جاتا ہے اور آج کے جدید دور میں اسلامی قوانین کے اندر عالمی انسانی حقوق کے کیا جواز ہیں۔

میری سمجھ سے پہلا سوال کافی حد تک سماجیاتی نوعیت کا ہے، اور یہاں میرا ماننا ہے کہ انسان کا جو عالمی تصور ہے وہی

انسانی حقوق کے وجود وبقا کے لئے سب سے لازمی چیز ہے کیونکہ یہ انسان ہی ہے جسے ہم کوئی بھی حق عطا کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں انسان سے منسوب جو اس کی پیدائشی خصوصیات یا وہ چیزیں جو اس کو نسل میں وراثت میں ملی ہے اس کا کوئی مطلب نہیں رہتا ہے بلکہ صرف اس کا انسان ہونا ہی کافی ہے۔

جب اتحاد پسندی اور عالمی تصور کا کسی قانونی زبان میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے تو وہ ''خود'' اور ''غیر'' جیسی تصورات کی امتیازی اور خصوصی تعریف ابھر کر سامنے آتی ہے جسے ہم مذہبی، قومی، اقلیمی اور نسلی امتیازات کی شکل میں عام طور پر دیکھ سکتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی تہذیب اور قانونی نظام میں صرف ایک خاص طبقہ، معاشرہ اور کچھ خاص شہریوں کو یہ حق دیا جاتا ہے۔

کیا اسلامی قوانین اس معیار پر کھرے اترتے ہیں، اسلامی قانونی روایت کا غیر متجانس اور متنوع الطبقہ نظام ہے جو اس یک سنگی تصور کی پوری طرح تردید کرتا ہے، دورِ قدیم کے کچھ فقہاء کے نزدیک بلا شک ''آدمی'' کا ایک عالمی تصور تھا جب کہ کچھ کے نزدیک انسان کی تعریف کی بنیاد مذہبی تھی اور انسان کی تقسیم مسلم اور غیر مسلم کے درمیان تھی، میرا خیال ہے کہ ہم صرف ان فقہاء میں عالمی انسانی حقوق کا تصور تلاش کر سکتے ہیں جنہوں نے خاص طور پر ایک انسانیت کو اپنے افکار اور خیالات کا محور بنایا جب کہ ان فقہاء کے لئے یہ بات ناممکن تھی جنہوں نے انسان کو ایک عالمی شی کی حیثیت سے نہیں دیکھا جنہیں یہ حقوق عطا کئے جاتے تھے۔

دوسرا جو قانونی سوال ہے اس پر میرا یہ ماننا ہے کہ صرف کسی کا انسان ہونا اسے اس چیز کا پورا حق دینا ہے کہ اس کے پاس کچھ بنیادی انسانی حقوق ہوں اور جسے میں نے ایک ضابطہ کی شکل دی ہے ''میں ہوں اس لئے میرے حقوق بھی ہیں''۔ اسلامی قوانین میں جو قدیم اتحاد پسندی کی جو روایت ہے اس کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انسانی حقوق سب کا ایک پیدائشی حق ہے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی تمیز نہیں ہونی چاہئے اور اسکا صرف اور صرف معیار ہے کہ وہ انسان ہو، یہ انسانی حقوق کسی چیز سے مربوط نہیں ہے اور نہ متلازم، اور نہ ہی ان کو حاصل کرنے کی کوئی شرط ہے، ساری انسانیت اور معاشروں کو یہ پورا پورا حق ہے کہ وہ اپنے اور دوسروں کے انسانی حقوق کی حفاظت کریں اور یہ عمل ایک قانونی، اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے، کسی بھی ریاست کے پاس جو سیاسی قوت ہے اس کی واحد بنیاد ہے لوگوں کے انسانی حقوق کی حفاظت اور اگر ریاست ان حقوق کی حفاظت نہیں کرسکی تو ان کے پاس ان سیاسی قوت کا کوئی جواز نہیں ہے، حقوق کی حفاظت ہی یہ عالمی سطح پر یہ قانونی نظام کا ایک مشترکہ ہدف ہونا چاہئے۔ کوئی بھی قانونی نظام سیکولر ہو یا دینی ہو، انسانی حقوق کی حفاظت کرنا اس کا

بنیادی فریضہ ہے۔

میں نے یہ افکار امام ابوحنیفہ (متوفی ۷٦۷) کے مکتبہ فکر سے اخذ کیا ہے اور انہوں نے عصمت اور آدمیت کے درمیان بھی تعلقات کی بخوبی تشریح کی ہے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عصمت کا مطلب ایک مبہم طور پر تقدس اور بنیادی انسانی حقوس سے تھا، انسانی حقوق کے بارے میں سوچنے والی جو پہلی نسل تھی ان کے لئے عصمت کا مطلب خاصا وسیع تھا جس میں جان و مال کی حفاظت، مذہب و خیالات اور وقار کی حفاظت جیسی ساری چیزیں شامل تھیں اور اس میں نہ تو ریاست اور نہ معاشرہ کو مداخلت کرنے کا کوئی حق تھا۔

امام ابوحنیفہ نے جو آدمیت کی اصطلاح استعمال کی ہے آج کے جدید دور میں ہم اسے انسانیت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ جو حنفی مکتبہ فکر کے بانی تھے کا ماننا ہے کہ تقدس وقار یا انسانی حقوق ایک انسان کا پورا حق ہے، سبھی حنفی فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بنیادی حقوق سبھی کو دیئے جانے چاہئے یہ الگ بات ہے کہ اس وقت اس کی پوری تشریح نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی اسے کوئی اداری شکل دی گئی تھی جیسا کہ مغرب میں دوسری عالمی جنگ کے بعد انسانی حقوق کے پورے نظریہ نے ایک مدرسہ اور ادارہ کی شکل اختیار کر لی۔

یہ حنفی ادارے وہاں پر کافی مقبول ہیں جہاں حنفی مکتبہ فکر کے ماننے والے تھے جسے عثمانیہ سلطنت اور جنوبی ایشیا میں حنفی مکلبتہ فلکر کا انسان کے بارے میں جو عالمی نظریہ تھا وہ تقریباً بیسوی صدی تک قائم رہا لیکن اس کے بعد ہم اس سے محروم ہو گئے جیسا کہ دمشق کے ایک عالم الماذنی نے انیسویں صدی کے آخر میں لکھا ہے کہ کسی کو وقار اور عزت حاصل کرنے کے لئے صرف اس کا انسان ہونا ہی کافی ہے۔

اس کے بالکل برعکس بقیہ تین سنی مدارس فکر میں انسانی حقوق کا جو عالمی تصور ہے وہ نہیں پایا جاتا اور ان مدارس کے بانیوں کا ماننا ہے کہ کسی شخص کے تقدس و وقار اور حقوق کا معاملہ اس کے عقیدہ اور معاملہ سے متعلق ہے، آج کے قومی ریاست کے جدید عہد میں ہم جو شہریت کا معنی سمجھتے ہیں اسکا اطلاق دور وسطی کے اسلامی تناظر میں نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس وقت کی تعبیر آج کے دور سے بالکل مختلف تھی۔ ان علماء کے نزدیک وہ غیر مسلم جو اسلامی ریاست کے شہری نہیں ہیں اسلامی قانون کے حدود سے باہر ہیں، اس لئے ان کے حقوق و تقدس کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا، انسانی حقوق کو لے کر اس امتیازی عقائد کا

نفاذ وہاں پر ہوا جہاں یہ اس تین مکاتب کے افکار کافی مقبول تھے جیسے اندلس، شمالی افریقہ اور مشرق وسطی، ان مکاتب کے قانونی ہدایات کا متفقہ طور پر مسلم معاشرے میں نفاذ کیا گیا جسے قانونی تکثیریت کی تعبیر سے نوازا گیا۔

اسلامی قانون کی تقسیم ہمیں اس تناؤ اور کشمکش کی طرف دھیان دلاتا ہے جسے آج ہم شہری حقوق اور انسانی حقوق کے درمیان دیکھتے ہیں، آج کے ہر حقوق کی عام طور پر دو بنیادیں ہیں، ایک طرف وہ حقوق ہیں جو صرف خاص ریاست کے شہریوں کو دیئے گئے ہیں اور دوسری طرف وہ حقوق ہیں جن کی بنیاد انسانیت پر مبنی ہے جو اس بات کی وکالت کرتا ہے کہ حقوق ساری انسانیت کے لئے ہونے چاہئیں۔

امام ابوحنیفہ کے بعد جتنے بھی فقہاء ہوئے ہیں انہوں نے امتیازی حقوق کی بات کی ہے جو کہ اسلامی قانونی افکار میں ایک نہایت ہی رجعیت پسند قدم تھا، اس کے بالکل برعکس مغربی قانون کی بنیاد شہری حقوق پر مبنی تھی اور اس کی شروعات وہیں سے ہوئی جس نے دھیرے دھیرے بیسویں صدی میں انسانی حقوق کی شکل اختیار کر لی۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد بہت سارے یورپین ممالک نے اپنے دستور میں انسانی حقوق کے پہلوؤں کو شامل کیا جب کہ امریکا نے صرف شہری حقوق کے نظریہ کو ہی اپنے دستور میں جگہ دی، اسلئے ہم ایک طرف اقوام متحدہ اور یوروپی زاویہ اور دوسری طرف امریکی سیاست کے درمیان وقتی تناؤ دیکھتے ہیں، اس کی ایک جیتی جاگتی مثال ہم دیکھ سکتے ہیں، International Criminal Court کا قیام جس کو لے کر بہت ساری بحثیں چھڑی اور بالآخر امریکا اس سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور آج ICC کے قانونی حدود سے امریکا بری ہے، یہی نہیں بلکہ امریکہ کے اندر ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صرف شہری حقوق کے حامی ہیں اور ایک گروپ وہ ہے جو لوگ انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں اور ان دو خیموں میں مسلسل جنگ اور تناؤ کا ماحول بنا رہتا ہے، وہ لوگ جو صرف شہری حقوق کی بات کرتے ہیں ان کے لئے ایک ہی مسئلہ ہے وہ امریکیوں کے حقوق حفاظت کیسے کی جائے، دوسرے خیمہ کے لوگوں کا مسئلہ تو دنیا کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

اگر ہم ان اتحاد پسند اور امتیازی پسند سماجی قوتوں کے درمیان جو متوازیت ہے اسے دیکھیں اور جو مختلف قدیم وجدید مذہبی اور سیکولر میدان میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں تو ہم یہ بات بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ انسانی حقوق کے حامی اور شہری حقوق کے حامیوں کے درمیان جو تناؤ قائم ہے وہ صرف دور وسطی میں ہی نہیں تھا بلکہ یہ دو خیموں کا تناؤ اور خلا ہر تہذیب اور ہر سیاسی نظام کا عام مظاہر رہا ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس کی تحقیق سماجیاتی طور پر اور تقابلی زاویہ سے کریں۔

مسلمانوں کا جو تاریخی عمل رہا ہے اس سے ہم یہ نتیجہ پوری طرح نہیں نکال سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں اور

عورتوں کے تیئں انسانی حقوق نبھا پاتے ہیں یا نہیں، انسانی حقوق کے سلسلہ میں جوان کا عالمی تصور رہا ہے اسے وہ اداری طریقہ کار کی شکل تو نہیں دے سکتے جس سے دنیا کے سامنے ایک مثالی نمونہ قائم کیا جا سکتا یا ایک معیار طے کیا جا سکتا، تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انسان نے ہمیشہ سے ہی مختلف طریقہ سے عالمی اقدار وصحیفہ اور قانون کے درمیان مصالحت کا راستہ تلاش کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر نسل کے لوگوں کو عالمی حقوق اور انسانی وحدت کے درمیان جو قدیم بدیہی تعلقات میں ان کی توثیق کے لئے جد وجہد کرنا چاہئے اور ہمیں اس کے لئے ہمہ وقت بدلتی ہوئی اصطلاحات اور اداروں کو اپنے تصور اور افکار میں شامل کرنا چاہئے۔

اس کی ضرورت اور اہمیت آج کی سمٹتی ہوئی دنیا میں اور بڑھ جاتی ہے۔ آج کے دور میں انسانی حقوق کے ایک نئے اسلامی فلسفہ کی اشد ضرورت ہے جسے جدید قانونی زبان میں پیش کیا جا سکے لیکن اس کی جڑیں اور قدریں انصاف کا جو اسلامی تصور ہو اس سے منسلک ہوں تاکہ مسلمان اس سے کچھ معتبریت حاصل کر سکیں اور اس بات کا دعوی کر سکیں کہ انسانی حقوق کی مہم میں وہ بھی برابر کے حقدار ہیں میں نے اسلامی قانونی روایت کی تو تحقیق کی جو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اصل فلسفہ یہ ہے کہ میں ہوں اس لئے میرا حقوق بھی ہے، اور اسے اور واضح طور پر اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میرا وجود ہی مجھے اس بات کا حق دیتا ہے کہ میرے پاس کچھ انسانی حقوق ہوں اور اس حق کے لئے مجھے کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا یہ حق متبادل نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی شرط ہونی چاہئے اور مجھے یہ حق ملنا چاہئے ہم اپنا فرض انجام دیں یا نہ دیں، کیونکہ یہ حق میری زندگی کا جز لاینفک ہیں، اس نظریہ کی تشکیل اسلام کی عالمی فقہی بنیاد پر ہوگی اور ہمارے پاس ماضی کے علماء کے یہاں جو اتحاد پسند قانونی نظریں ہیں ان کو بھی شامل کیا جائے گا اور انہیں موجودہ انسانی حقوق کی اصطلاحات اور محاورات میں شامل کیا جائے گا۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ میں انہیں حقوق کا دفاع کر رہا ہوں جو دوسرے سیکولر اور مذہبی لوگ کرتے ہیں لیکن ہم میں سے ہر ایک اس کو مختلف طریقہ سے سچ ثابت کر سکتے ہیں اور کوئی نہ کوئی جواز پیش کر سکتے ہیں، ہمارے راستے مختلف ہیں لیکن منزل ایک ہے اور وہ ہے انسان کے وقار وتقدس کی حفاظت کرنا۔

جو مقامی تعلیمی وتدریسی وسائل ہیں ان کا انسانی حقوق کی تشیع میں پورا پورا استعمال کرنا چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس دنیا میں اس کے مفہوم سے آشنا ہو سکیں، اس طرح سے حقوق سے سماجیات کے مطالعہ سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔

ریسیپ سنترک-ڈیولپمینٹ/تمرین/نیٹ ورکنگ

میں قانون بلا حدود کا حامی ہوں اور اس قانون کی بنیاد یہ ہے کہ ”میں ہوں اس لئے میرے حقوق بھی ہیں“ انسان کی تاریخ میں جو نئے مرحلہ آئے ہیں اس نے اس طرح کے قانون کی ضرورت پیدا کر دی ہے اور خاص کر میں اسلامی مذہب پر مرکوز کر رہا ہوں کیونکہ میں اس اسلامی تہذیب وثقافت سے منسلک ہوں، آج مجھے انسانی حقوق کے سلسلہ میں ایک عالمی اسلامی تصور کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اسلام کی عالمی تاویل پیش کریں تا کہ اپنے پڑوسی مما لک سے ایک پر امن اور دوستانہ تعلقات قائم کئے جاسکیں اور خاص کر میرے ملک ترکی میں جو کہ مستقبل قریب میں یورپی اتحاد کی رکنیت حاصل کرنے والا ہے۔

اس کا مطلب ہے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ایک اچھے تعلقات اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ترکی کے غیر مسلموں کو اس بات کا یقین دلاسکیں کہ ترکی کے مسلمان ان لوگوں کو اپنا دوست مانتے ہیں، اور اسلام میں اس طرح کی دوستی ایک عالمی مذہب کی حیثیت سے بڑھاوا دوں گا۔

ترکی کے مسلمانوں کو یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ غیر مسلموں کے حقوق کا دھیان رکھنا اور ان کا احترام کرنا اسلامی تعلیم کا ایک اہم ہے حصہ میری یہ تحقیق دوستانہ تعلقات کو مضبوط کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوگی کیونکہ مسلمان اب اس سمٹتی ہوئی دنیا کے شہری ہو چکے ہیں اور خاص کر ترکی کے مسلمان جو یورپی اتحاد کے رکن ہونے والے ہیں۔

اس مرحلہ میں صرف اپنی بات بھی رکھ سکتا ہوں اور اس میں اپنی تحریر کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاؤں گا جو کتابوں، مضامین اور مقالات پر مشتمل ہوگی، اور میری یہ تحریریں ترکی، عربی اور انگریزی سبھی زبانوں میں ہوگی۔

اس سلسلہ میں ایک TV فلم بنانے کا بھی ارادہ ہے جس کے ذریعہ انسانی حقوق کا جو عالمی تصور ہے اس کی تشیع کروں گا۔

مجھے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ دانشور صرف لفظوں اور باتوں سے کھیلتے ہیں اور یہ لفظی خدمات کافی نہیں ہوتے ہیں لیکن اس مرحلہ میں میں صرف یہی کر سکتا ہوں۔

انسانی حقوق کی مہم میں یہ ایک چھوٹا سا تعاون ہوگا اور دو تہذیب کے درمیان دوری دور کرنے اور تصادم سے بچنے کی چھوٹی سی کوشش ہوگی، اور آج اس بات کی ضرورت ہے کہ مختلف تہذیبوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ مذاکرات کئے جائیں اور یہ آج کے دور میں اور ضروری ہے جبکہ پوری فضا ابر آلود ہے۔